ڈاکٹر شبیر احمد قادری

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

اُردو تذکروں میں ذکرِ نظیر

Dr Shabir Ahmed Qadri

Associate Professor, Urdu Department, G.C. University, Faisalabad.

Nazeer Akberabadi's references in Urdu Tazkaras

Nazeer Akberabadi is one of the most prominent Urdu poets of classical era. Nazeer has reflected the variety of life experiences. He was more interested in objective aspect of life rather than metaphysical and imaginative aspects. One can see locale and culture of Indian sub continent very well elaborated in his verses. Although he was not much appreciated by his contemporary literary historians and critics but some of them noticed his literary works. The article mentions and analysis the references to Nazeer Akberabadi in Tazkaras.

اُردو کلاسیکی شاعری کا آسمان جن ستاروں سے روشن ہے ان میں ایک روشن ستارہ نظیر اکبرآبادی بھی ہے۔نظیر کا ستارہ ابتداً بہت دھندلا اور مدھم مدھم سا تھا مگر جوں جوں وقت گزرتا رہا توں توں یہ ستارہ نہ صرف صاف دکھائی دینے لگا بلکہ اس کی موجودگی میں پہلے سے چمکنے والے بعض ستارے مدھم پڑنا شروع ہو گئے اور بالآخر معدوم ہو گئے۔

نظیر اکبرآبادی روایت پسند بالکل نہیں تھے۔انہوں نے اشیاء و مظاہرِ کائنات کو نئے انداز سے دیکھنے دکھانے کی طرح ڈالی اور بہت سی نظر انداز کی گئی اشیا کو جھاڑ پھونک کر اس انداز سے دیکھا کہ انہیں خود بھی رشک آنے لگا۔اب وہ اُن کی تعریف نہ کرتے تو کیا کرتے۔خوبی کی بات نظیر نے ان اشیا کی خامیوں اور ناہمواریوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کی انہیں جیسا ہے، جہاں ہے کی بنیاد پر زیبِ قرطاس کر دیا۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے نظیر کو اردو شاعری کی تاریخ میں ایک منفرد حیثیت کا مالک قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اُردو کے دو شاعر ایسے ہیں جنھوں نے اپنی شاعری میں سب سے زیادہ ذخیرۂ الفاظ سے فائدہ اُٹھایا ہے، ایک میر انیس اور دوسرے نظیر اکبرآبادی، لیکن میر انیس کی شاعری کا محور و مرکز مرثیہ ہے۔۔۔نظیر اکبرآبادی کا حال ان سے مختلف ہے، اُن کے یہاں کسی ایک مخصوص موضوع یا محدود فضا کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔وہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر سے نقاب اُٹھاتے ہیں، صوفیانہ اور اخلاقی

شاعری بھی اُن کے یہاں ہے، میلوں ٹھیلوں اور جلسے جلوسوں کی تصویریں بھی، اُن کے یہاں شاعری میں ''طبقات'' کی قید نہیں اور نہ ذخیرۂ الفاظ میں وہ طبقہ بندی گوارا کرتے ہیں۔(۱)

حکیم قدرت اللہ قاسم اپنے تذکرہ ''مجموعہ نغز'' میں رقم طراز ہیں:

شیخ ولی اللہ محمد اکبرآبادی است وے شاعرے است دیرینہ مشق کہ بالفعل دراں نوح علم استادی می افراز دو نردمحبت واخلاص باہرکس می باز دبسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط ونہایت نیک طینت ومستحکم ارتباط شنیدہ می شود بمعلمی اوقات گزاری میکند وبکشادہ پیشانی ایامِ زندگی بسرمی برد۔(۲)

صاحب تذکرہ نادر نے نظیر کا انتہائی مختصر تعارف کرایا ہے:

میر ولی محمد استاد اکبرآبادی صاحبِ تصانیف کثیرہ۔(۳)

صابر دہلوی تذکرہ ''گلستان سخن'' میں لکھتے ہیں:

عوام ہندوستان اس کی شاعری کا پایہ فرق شعریٰ اور تاریک ثریا سے بلند جانتے ہیں۔اطراف واکنافِ ہند میں ایسی شہرت پائی ہے کہ غالباً اگر آسمان چاہے کہ اس کے نام کو صفحۂ عالم سے حک کردے، صورت پذیر نہ ہو،ُ پرگوئی کا یہ عالم ہے کہ مقلدانِ ہنگامۂ ہولی سے ہر ایک کی زبان پر سوسو مخمس جداگانہ سے کم نہ ہوگا۔جوکہ اس طرح کی زبان درازی سخن کو خبط کردیتی ہے، اغلب وہ کلامِ بے انتظام شائستہ آفرین نہ پایا۔لیکن بعض بعض شعر کہ حلیۂ لطف سے آراستہ تھے، کم کم گوش زد بھی ہوئے۔باایں ہمہ باطن اس مرد سنجیدہ کا ایسا آراستہ اور مہذب تھا کہ اس کی حکایت طبع غفلت شعار کو سرمایۂ حیرت ہے۔(۴)

نواب محمد مصطفےٰ خان شیفتہ نے نظیر کی شاعری پر خوب تنقید کی ہے۔تنقید کی یہ نوعیت ہی دراصل تذکروں میں تنقیدی معیارات کے تعین میں مدد دیتی ہے:

الحق ''مثلھا فی البلاد'' کہ درخصوص باغ شداد آمد است مُہر دہاں گشت ورنہ درثنائے ایں گلستان ہمیں معنی برزبان آمدے۔گویند کہ نظیر درحلم وخلق وانکسار بے نظیرِ روزگار است۔بہ تعلیم صبیان بسرمی برد۔۔۔اشعار بسیاردارد کہ برزبان سوقین جاری ست ونظر بہ آں ابیات دراعدادِ شعرا نشایدش شمرد۔(۵)

شیفتہ کی اس رائے کے حوالے سے رد وقبول کا سلسلہ تادیر جاری رہا۔نظیر کے بارے میں شیفتہ کی یہ رائے دو نئے تذکروں کا سبب بن گئی:

۱۔گلشنِ بے خزاں______قطب الدین باطن

۲۔گلشن ہمیشہ بہار______نصر اللہ خاں خویشگی

قطب الدین باطن کا لہجہ خاصہ سخت ہے۔کلب علی خاں فائق کے الفاظ میں ''گلشن بے خزاں'' میں شعرائے اکبرآباد کی مدح اور شعرائے دہلی کی مذمت کی گئی تھی۔شیفتہ نے تنقیدی آراء میں کسی شاعر کی ذات کو نشانۂ تنقید نہیں بنایا تھا لیکن باطن نے شعرائے دہلی کی ذاتیات سے بحث کرکے تنقیدی رائے میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔(۶) فائق نے باطن کی وہ عبارت بھی نقل کی ہے جس میں شیفتہ کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔باطن لکھتے ہیں کہ ''گلشن بے خار'' تالیف نواب مصطفیٰ خاں

متخلص بہ شیفتہ جو اوّل سے آخر تک دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت ہیں نوابی پر فریفتہ، سب کو حقارت سے یاد کیا، اپنی اوقات کو برباد کیا۔ بجز سات شخصوں کے ہر ایک کی نسبت عبارت ہجو آمیز ہے۔۔۔اور وہ سات صاحب بہ تفصیل یہ، جن کے سب ذلیل یہ(۱) مرزا نوشہ متخلص بہ اسد و غالب (۲) آشنائے مومن خاں متخلص بہ صاحب و (۳) مولوی محمد صدرالدین خاں متخلص بہ آزردہ (۴) نواب مصطفیٰ خاں متخلص بہ شیفتہ مؤلف گلشنِ بے خار، (۵) رجو آشنائے صاحبِ گلشنِ بے خار متخلص بہ نزاکت (۶) غلام علی خاں متخلص بہ وحشت (۷) مومن خاں متخلص بہ مومن۔ ظاہر ہے یہ مبالغہ ہے۔(۷) محسوس یہ ہوتا ہے کہ شیفتہ کو اپنے تنقیدی انداز کی وجہ سے اُسی طرح تنقید کا سامنا کرنا پڑا، جس طرح میر تقی میر کو ''نکاتِ الشعرا'' کے جواب میں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں کی تنقیدی آراء کے جواب میں تذکرے لکھے گئے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ رقم طراز ہیں کہ اس خاص معاملے میں یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کے شیفتہ عموماً شعرائے دہلی کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں، ہم باطن کے خیال سے کاملاً متفق نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ خالص ادبی اور فنی نقطۂ نظر سے شیفتہ کی رائے عموماً درست ہوتی ہے۔ اگرچہ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی سب سے بڑی کوتاہی ان کی ''اشرافی ذہنیت'' اور اُن کی ''اسلوب پرستی'' ہے۔ جس کی بنا پر بچارے (بے چارے؟) نظیر شاعروں کی صفِ اولیں میں بیٹھنے کے حقدار نہ سمجھے گئے۔ یہ ان کی دہلی نوازی نہیں، اشراف پرستی ہے جس کو عوامی شاعری اور عوامی الفاظ اس حد تک ناگوار ہیں کہ اس کے نزدیک یہ شاعری کی دنیا کی چیز ہی نہیں حق یہ ہے کہ باطن کا نشانہ غلط تھا۔(۸)

شیفتہ کی نظیر کی رائے کو رد کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ان کے حامیوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ شیفتہ کے مزاج اور ذوقِ شعری نے جو کچھ محسوس کیا نظیر کے بارے میں لکھ دیا۔ شیفتہ جب یہ کہتے ہیں جو دراصل اپنے معیارات کی حد بندی کر رہے ہوتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے معاصر و ماقبل شعرا کے مقام و مرتبہ کا تعین بھی اسی تناظر میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی شعری تربیت جس ماحول کے زیرِ اثر ہوئی تھی، ان کے لیے نظیر کے کلام کو کلیتاً قبول کرنا مشکل تھا۔ یوں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شاعر کو سبھی ناقدین ایک ہی نظر سے دیکھیں۔ شیفتہ کے شعری معیارات تو یہ تھے:

شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں مگر نا مقبول
اگر اسلوبِ عبارت میں متانت سے کم ہو

(کلیاتِ شیفتہ، ص۱۱۰)

وہ طرزِ فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ
معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف ہو

(کلیاتِ شیفتہ، ص۹۹)

ڈاکٹر علی صفدر جعفری، شیفتہ کی تنقید کو ''غیر جانب دارانہ'' اور ''مبنی بر حقیقت'' قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیفتہ نے تذکرہ ''گلشنِ بے خار'' میں مختلف شعرا کی شاعری پر غزل کو سامنے رکھ کر تنقید کی ہے۔ انہوں نے کسی کی ذات کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا۔ نظیر اکبر آبادی کے ساتھ بھی اُن کا یہی رویہ ہے۔ شیفتہ نے اپنے مزاج اور ماحول کے زیرِ اثر تنقید کے جو معیار قائم کر لیے تھے وہ ان پر دیانت داری سے کاربند ہیں۔ اور ''گلشنِ بے خار'' میں ہر شاعر کی شاعری کو انہیں معیاروں پر پرکھتے ہیں۔(۹) یہ

درست ہے کہ شیفتہ نے بعض دوسرے شعرا کے کلام اور طرزِ حیات کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ مگر نظیر کے بارے میں اُن کی تنقید کو دراصل، اس تناظر میں دیکھا جانا چاہیے جو نظیر کی روایت شکنی پر دال ہے۔ انہوں نے لب و کاکل و رخسار کی روایتی شاعری سے ہٹ کر اپنے لیے الگ راستہ اختیار کیا اور اس پر کامیابی سے سفر کرتے رہے تاوقتیکہ وہ اپنی الگ شناخت بنانے میں کامیاب رہے۔ یہ وہی نظیر ہیں جن کے بعض شعر، محمد حسین آزاد کو میر سے پہلو مارتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں کہ نظیر کے بعض شعر ایسے ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں۔ پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اُس کے چند شعر منتخب لکھ دیے تو ناواقف اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔ (۱۰)

مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے تذکرہ ''قطعہ منتخب'' میں شعرا کے تراجم کے ساتھ قطعات نقل کیے ہیں۔ اس تذکرے کا نام تذکرہ مقطعات اردو ہے۔ ''قطعہ منتخب'' اس کا تاریخی نام ہے۔ جس سے ۱۲۷۶ عدد نکلتے ہیں۔ مرتب انصار اللہ نظر نے ''قطعہ منتخب'' کو سید محسن علی محسن کے تذکرہ ''سراپا سخن'' سے مماثل قرار دیا ہے۔ نساخ نے نظیر کے ذکر میں بعض غیر اہم شاعروں سے بھی اختصار سے کام لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ نظیر تخلص، ولی محمد اکبر آبادی، روضۂ ممتاز محل عرف تاج گنج کے متصل رہتے تھے۔ بیشتر مخمس و مسدس و ترجیع بند کہتے تھے۔ (۱۱)

نصر اللہ خاں خویشگی نظیر کو ''مردِ سخن سنج'' کہتے ہیں: ان کے نزدیک:

> نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است۔ در بازار سخن وری جنسِ گراں بہائے شاعری اوارزانست و در چار سُو سخن پایہ برتری او بزمرہ ہنروانست اشعار بسیارے برزبانِ اہلِ شوق جاری و ہر کس و ناکس بذوقِ تمام قاری۔ گویند مذہب امامیہ داشت، حق آنست کہ مذہب رندانہ و مشرب عاشقانہ داشت۔ (۱۲)

سعادت خاں ناصر نے نظیر کو ''بلبل خوش صفیر'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ان کی رائے میں نظیر وضع قلندرانہ، مردِ آزاد، معاش اس کی تعلیم صبیان اور اجرت صدائے فقیراں ہے۔ (۱۳)

نظیر اکبر آبادی نے خیالی گھوڑے نہیں دوڑائے بلکہ زندگی کے بنیادی حقیقتوں کو سامنے رکھا اور انہیں عوامی رنگ میں زیبِ قرطاس کیا۔ عزیز احمد نے درست لکھا ہے کہ نظیر کا سب سے بڑا کارنامہ ٹھوس زندگی کی طرف توجہ تھی۔ اب تک اُردو شاعری تصور و خیالات پر مشتمل تھی۔ زندگی کو اس کی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کا کسی ایک کلیات میں مطالعہ مقصود ہو تو وہ بلاشبہ ''کلیاتِ نظیر'' ہی ہے۔ یہ کلیات ایک ایسی سیر بین کے مانند ہے جس میں مختلف تصویریں اور رنگ دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا گلستان ہے، جس میں پھولوں کے ساتھ ساتھ کانٹے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ نظیر نے اپنی طویل عمر میں حیات و مظاہرِ کائنات کو جیسا دیکھا اور محسوس کیا، ویسا ہی پیش کر دیا۔ نظیر کی شاعری اُن کی اپنی شخصیت اور اپنے اشغال و افعال کا عکس ہے۔ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ کلامِ نظیر جیسی مثال پوری اُردو شاعری میں دکھائی نہیں دیتی۔ شاعری اگر تنقیدِ حیات ہے تو انسانی زندگی کا مطالعہ نظیر سے بڑھ کر کب کسی نے کیا ہوگا؟

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیرا کبرآبادی، اُن کا عہداور شاعری، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، باراول، ۱۹۵۷ء، ص۲۴۔۱۲۳

''نظیر کے بارہ میں شروع سے یہ غلط فہمی پھیلا دی گئی کہ وہ عامیانہ بلکہ سوقیانہ مذاق رکھتا ہے اور اس کا کلام اوباشوں کے لیے لکھا گیا ہے۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ نظیر کے اخلاقی اور انسانی پہلو پر ناقدین نے کبھی سنجیدگی سے غور کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اُردو شاعری کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دوسرا شخص انسانیت کا اتنا بڑا علمبردار ہوا ہو۔ جتنا نظیر تھا ایسے زمانہ میں جب انسانوں کو امیر اور غریب، شریف اور رذیل کے خانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور اخلاق کے خود ساختہ اصولوں پر اصل انسانیت کو بھینٹ چڑھایا جا رہا تھا۔''

(ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، نظیرا کبرآبادی، اُن کا عہداور شاعری، ص۶۰)

آل احمد سرور لکھتے ہیں کہ نظیر کو اُس زمانے میں بھی عوام بہت بڑا شاعر سمجھتے تھے۔ خواص میں بھی کچھ لوگ اس کے قائل تھے مگر زیادہ تر لوگ جو ذرا شریف اور رئیس قسم کے تھے، نظیر سے اس وجہ سے خفا تھے کہ ان کے یہاں بازاری رنگ آ گیا تھا۔ شیفتہ اپنے زمانے کے بڑے سنجیدہ اور ثقہ لوگوں میں سے تھے۔۔۔ شیفتہ نے نظیر کو اپنے بقاء دوام کے دربار سے نکال دیا اور اپنے لیے بقاء دوام کے دربار میں ایک درجہ کم کر لیا۔

(ادب اور نظریہ، لکھنؤ: ادارہ فروغِ اُردو، ۱۹۵۴ء، ص ۶۴،۶۳)

ڈاکٹر محمد صادق کا نقطۂ نظر مختلف مگر بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) سے ماقبل دَور کی اُردو شاعری میں ایرانی شاعری سے ماخوذ روایات پر عمل درآمد زیادہ تھا۔ اس کے مضامین، اسالیب اور ذخیرۂ الفاظ سب مقرر تھے اور اُن سے انحراف کرنے والا شاعر ساقط الاعتبار سمجھا جاتا تھا۔ دہلی اور لکھنؤ کے فصحا کو نظیر پر بڑا اعتراض یہی تھا کہ اس کی زبان ٹکسالی نہیں اور وہ ادبی روایات کی پابندی نہیں کرتا۔

(محمد صادق، ڈاکٹر، نظیرا کبرآبادی، مشمولہ: تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، اردو ادب (جلد دوم) (مدیرِ عمومی: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، طبع دوم، ۲۰۰۹ء، ص۱۶۶)

ڈاکٹر محمد صادق نے اس بات کو دہرایا ہے کہ نظیر کی اجتہاد پسندی نے انہیں نقصان پہنچایا لیکن ان میں جدت نہ ہوتی اور وہ مروجہ اقدار کی ترجمانی کو اپنا لائحہ عمل بنا لیتے تو انہیں ادب میں وہ مقام حاصل نہ ہوتا، جو آج کل حاصل ہے۔

(ایضاً، ص۱۷۶)

۲۔ قاسم، قدرت اللہ، حکیم، مجموعہ نغز، مرتبہ: محمود شیرانی، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۳ء، ص۲۸۱

۳۔ نادر، کلب حسین خاں، تذکرۂ نادر، مرتبہ: سید مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ: کتاب نگر، ۱۹۵۷ء، ص۱۶۷

۴۔ صابر دہلوی، قادر بخش، مرزا، تذکرۂ گلستانِ سخن، جلد دوم، مرتبہ: لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۶۶ء، ص۴۴۳

۵۔ شیفتہ، محمد مصطفیٰ خاں، نواب، گلشنِ بے خار، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص۶۲۳

۶۔ فائق، کلب علی خاں، مقدمہ، گلشنِ بے خار، مصنفہ: مصطفیٰ علی خاں شیفتہ، لاہور: مجلس ترقی ادب، باراول، ۱۹۷۳ء، ص۴۶

۷۔ باطن، قطب الدین، گلستانِ بےخزاں لکھنؤ: ۱۸۷۸ء، ص۴، بحوالہ مقدمہ گلشن بے خار، ص ۴۷۔۴۶

۸۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، شعرائے اُردو کے تذکرے، لاہور: مکتبہ جدید، باراول ۱۹۵۲ء، ص۵۴
ڈاکٹر سید عبداللہ باطن اور شیفتہ کے نزاع کو ادبی نزاع کے بجائے ''وطنی تعصب'' کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔
(دیکھیے حوالہ محولہ بالا، ص ۵۴)

حسرت موہانی شیفتہ کی تنقیدی بصیرت اور نظیر اکبرآبادی کے حوالے سے ان کی تنقید کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:
شیفتہ خود چوں کہ ذی استعداد و صاحب مذاقِ صحیح تھے، اس وجہ سے ''گلشنِ بے خار'' میں دوسرے تذکرہ نویسوں کے برخلاف اکثر شعرا کے کلام پر تنقیدِ منصفانہ سے باز نہیں رہے۔ اگر زمانہ موجود کے مذاق کے مطابق دیکھیے تو شیفتہ نے جس قدر تنقید کی ہے وہ بھی ناکافی نظر آتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس بارے میں ان کی تحریر قابلِ ستائش ہے کیونکہ اُن سے قبل اور اُن کے معاصرین (میں) بعض ایسے تذکرہ نویس بھی گزرے ہیں جنھوں نے مرنجاں مرنج کے اصول کے مطابق جتنے شاعروں کا حال لکھا ہے سب کی یکساں تعریف کی ہے اور اس لیے اُن کے تذکروں کو تذکرہ کہنا ہی ایک معنی کر کے غلط ہے۔

(اُردوئے معلیٰ علی گڑھ، جلد۳، شمارہ۴، اکتوبر ۱۹۰۴ء، ص۳، بحوالہ: مقدمہ گلشنِ بے خار، ص ۵۶۔۵۵)

حسرت موہانی شیفتہ کی نظیر پر تنقید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> نظیر اکبرآبادی کے ذکر میں ۔۔۔ شیفتہ کی نکتہ چینی حد سے گزر گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نظیر کی صرف چند بازاری نظمیں مثلاً ''چوہوں کا اچار'' وغیرہ سن کر یہ رائے قائم کر لی ہوگی۔ اگر نظیر کی تمام نظمیں اُن کی نظر سے گزر جاتیں تو غالباً اِس قدر درشتی کو کام نہ فرماتے۔

(اُردوئے معلیٰ، حوالہ مذکورہ بالا، ص ۵۷)

ڈاکٹر اسلم فرخی نے تنقید کے حوالے سے گلشنِ بے خار کو ''نکات الشعرا'' سے بھی سے بھی اہم تذکرہ قرار دیا ہے۔ ان کی رائے میں گلشن خار ۔۔۔ کی اہمیت کا راز اس کے تنقیدی عنصر میں پوشیدہ ہے۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تنقید کے سلسلے میں گلشنِ بے خار، نکات الشعرا سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے تنقیدی فقرے اپنے اختصار کے باوجود اتنے جامع و مانع ہیں کہ ان سے شاعر کی شاعرانہ عظمت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔
اسلم فرخی، ڈاکٹر، محمد حسین آزاد، حیات اور تصانیف، کراچی: انجمن ترقی اُردو، باراول ۱۹۶۵ء، ص۴۲

۹۔ علی صفدر جعفری، ڈاکٹر، نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، لاہور: عذرا پبلی کیشنز، باراول ۱۹۹۹ء، ص ۲۱۸

۱۰۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آبِ حیات، ص ۸۰

۱۱۔ نساخ، عبدالغفور خاں، مولوی، تذکرۂ قطعہ منتخب، مرتبہ: انصاراللہ نظر، کراچی: انجمن ترقی اُردو، طبع اول ۱۹۷۴ء، ص ۷۶
نساخ نے نظیر اکبرآبادی کے ردیف الف اور ردیف لام کے دو قطعات شاملِ تذکرہ کیے ہیں۔ انصاراللہ نظر نے صرف ردیف الف کا قطعہ نقل کیا ہے:

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا
ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی تھا بہم جوش سرو سمن کا

(تذکرہ قطعہ منتخب، ص۷۶)

۱۲۔ نصر اللہ خاں خویشگی، گلشنِ ہمیشہ بہار، مرتبہ: ڈاکٹر اسلم فرخی، کراچی: انجمن ترقی اُردو، بار اول ۱۹۶۷ء، ص۳۲۲

۱۳۔ ناصر، سعادت خاں، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، جلد دوم، مرتبہ: مشفق خواجہ، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۲ء، ص۱۹۵ء